میزان
جاوید احمد غامدی

# قانونِ دعوت

(نئی اشاعت کے لیے مصنف کی طرف
سے نظر ثانی اور ترمیم و اضافہ کے بعد)

(۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

## ۴۔ پیغمبر کا انذار

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا. وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا.(الاحزاب ۳۳: ۴۵-۴۶)

''اے پیغمبر، ہم نے تمھیں گواہی دینے والا اور خوش خبری پہنچانے والا اور انذار کرنے والا اور اللہ کی طرف، اس کے اذن سے، دعوت دینے والا اور (انسانوں کی ہدایت کے لیے) ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب دعوت ہے جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں پوری تفصیل کے ساتھ کر دی ہے۔ اللہ کے جو پیغمبر بھی اِس دنیا میں آئے، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِسی دعوت الی اللہ اور انذار و بشارت کے لیے آئے۔ سورۂ بقرہ کی آیت 'کان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين و منذرين'[۳] میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ اِن نبیوں میں سے اللہ تعالیٰ نے جنھیں رسالت کے منصب پر فائز کیا،

۳۔ ۲: ۲۱۳۔ ''لوگ ایک ہی جماعت تھے، (اُنھوں نے اختلاف کیا) تو اللہ نے نبی بھیجے، بشارت دیتے اور انذار کرتے

اُن کے بارے میں البتہ، قرآن بتاتا ہے کہ وہ اِس انذار کو اپنی قوموں پر شہادت کے مقام تک پہنچا دینے کے لیے بھی مامور تھے۔ قرآن کی اصطلاح میں اِس کے معنی یہ ہیں کہ حق لوگوں پر اِس طرح واضح کر دیا جائے کہ اِس کے بعد کسی شخص کے لیے اُس سے انحراف کی گنجایش نہ ہو: 'لئلا یکون للناس علی اللّٰہ حجة بعد الرسل'[4] (تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہ رہے)۔ سورۂ احزاب کی اِن آیات میں 'شاھدًا' کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِسی منصب کو بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔ نبیوں کا انذار و بشارت تو کسی وضاحت کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن رسولوں کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ انذار و بشارت کے ساتھ وہ شہادت کی جس ذمہ داری کے لیے مامور ہوتے ہیں، اُس کے تقاضے سے اُن کی دعوت کے چند مراحل اور اُن مراحل کے چند لازمی نتائج ہیں جو اُنھی کے ساتھ خاص ہیں۔ یہ دعوت کی کسی دوسری صورت سے متعلق نہیں ہیں۔ رسولوں کی دعوت کے یہی مراحل ہم تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کریں گے۔

## انذار

یہ اِس دعوت کا پہلا مرحلہ ہے۔ ''انذار'' کے معنی کسی برے نتیجے سے لوگوں کو خبردار کرنے کے ہیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول اپنی قوم کو ہمیشہ دو عذابوں سے خبردار کرتے رہے ہیں: ایک وہ جس سے اُن کے منکرین قیامت میں دوچار ہوں گے اور دوسرا وہ جو اُن کی دعوت کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرنے والوں پر اِسی دنیا میں نازل ہو گا۔ وہ اپنی قوم کو بتاتے ہیں کہ وہ زمین پر ایک قیامت صغریٰ برپا کر دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ خدا کی حجت جب اُن کی دعوت سے پوری ہو جائے گی تو اُن کی قوم کو اپنی سرکشی کا نتیجہ لازماً اِسی دنیا میں دیکھنا ہو گا۔ قرآن کے چھٹے باب میں سورۂ قمر اِس انذار کی بہترین مثال ہے۔ اُس میں رسولوں سے متعلق اپنی سنت کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے بڑی تہدید کے اسلوب میں فرمایا ہے: 'اکفارکم خیر من اولئکم ام لکم براة فی الذبر'[5] (کیا تمھارے یہ منکر اُن سے کچھ بہتر ہیں یا اِن کے لیے صحیفوں میں

---

ہوئے۔''

۴۔ النساء ۴: ۱۶۵۔

۵۔ ۵۴: ۴۳۔

کوئی معافی لکھی ہوئی ہے)؟قرآن کے آخری باب میں الملک (۶۷) سے الجن (۷۲) تک چھ سورتیں، خود قرآن کے نظم ہی سے پوری قطعیت کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے کہ اِسی مرحلے کی سورتیں ہیں۔ اِن سورتوں کے مطالعے سے قرآن کا ہر طالب علم اُس لب و لہجے، اسلوب اور طرز استدلال کا اندازہ کر سکتا ہے جو اللہ کے رسول اِس مرحلے میں اختیار کرتے ہیں۔ سورۂ قلم میں باغ والوں کی تمثیل بیان کرکے قرآن نے اِس انذار کا خلاصہ اِس طرح بیان فرمایا ہے:

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.(۶۸: ۳۳)

"(ام القریٰ کے لوگو، تم اِس پیغمبر کو جھٹلا رہے ہو تو دیکھ لو) اِس طرح آئے گا عذاب اور آخرت کا عذاب تو اِس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اے کاش، یہ لوگ اُس کو جانتے۔"

اِس انذار کو چونکہ اِس دنیا میں لازماً ایک حتمی نتیجے تک پہنچنا ہوتا ہے، اِس لیے اِس میں اصلاً اُنھی لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے جو کسی نہ کسی پہلو سے اپنی قوم میں اثر و رسوخ رکھتے ہوں؛ عوام اپنے علم و عمل اور سیرت و اخلاق میں جن کے تابع ہوں؛ جن کی بیماری دوسروں کے لیے بیماری اور تندرستی تندرستی کا باعث بنتی ہو؛ جن کے دل و دماغ کا مفتوح ہو جانا سب کے مفتوح ہو جانے کا ذریعہ ہو؛ جن کے پاس مادی ذرائع و وسائل کی افراط حق کی قوت میں اضافہ کر سکے؛ جو اپنی ذہنی رفعت سے دعوت کو علم و عمل کی بے پناہ قوتوں کا سیلاب بنا دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور عوام جن کی دلیلوں کے تار و پود بکھرتے، جن کے فکر و فلسفہ کی جڑیں اکھڑتے اور جن کے نظام اخلاق و سیاست کے فلک بوس محلوں کی بنیادیں جب تک اپنی آنکھوں سے متزلزل ہوتے نہ دیکھ لیں، اُس وقت تک نہ دعوت حق کے لیے پوری طرح یکسو ہو سکتے ہوں، نہ پرانے معتقدات کے گرداب سے نکل سکتے ہوں، نہ اُن کے بارے میں تذبذب سے نجات پا سکتے ہوں اور نہ کسی دعوت کی حمایت میں وہ ذہنی رفعت محسوس کر سکتے ہوں جس سے حوصلہ پا کر بدر و حنین کے مجاہدوں کی طرح وہ اِن صنادید کی قوت و عظمت کا طلسم توڑ دیں۔

قرآن مجید سے پیغمبروں کے انذار کی یہ خصوصیت جس طرح سامنے آتی ہے، اِس کی وضاحت میں استاذ امام امین احسن اصلاحی اپنی کتاب "دعوت دین اور اُس کا طریق کار" میں لکھتے ہیں:

"... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے خود اپنے اُس خاندان کو دعوت دی جو قوم کی مذہبی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پیشوائی کی مسند پر متمکن تھا۔ پھر اُس بادشاہ کو دعوت دی جس کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار کی باگ تھی اور جو اپنے آپ کو لوگوں کی زندگی اور موت کا مالک سمجھے ہوئے بیٹھا تھا... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب سے پہلے فرعون کو مخاطب کریں... حضرت مسیح علیہ السلام نے سب سے پہلے علماے یہود کو دعوت دی۔ اِسی طرح حضرات نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، سب کی دعوتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اِن میں سے ہر نبی نے سب سے پہلے اپنے وقت کے ارباب اقتدار اور متکبرین کو جھنجھوڑا اور اُن کے افکار و نظریات پر ضرب لگائی۔ سب سے آخر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ یہ لوگ عرب کی مذہبی اور پدر سرانہ (patriarchical) حکومت کے ارباب حل و عقد تھے اور اِس کے واسطے سے سارے عرب کی اخلاقی اور سیاسی رہنمائی کر رہے تھے۔''(۴۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَتُنۡذِرَ يَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ فَرِيۡقٌ فِى الۡجَنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِى السَّعِيۡرِ. (الشوریٰ ۴۲: ۷)

''اور اِسی طرح ہم نے تم پر یہ قرآنِ عربی وحی کیا ہے کہ تم ام القریٰ اور اُس کے گردوپیش میں بسنے والوں کو خبردار کر دو اور اُس روز محشر سے خبردار کر دو جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، جہاں ایک جماعت کو جنت میں جانا ہے اور ایک کو جہنم میں۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

## انذار عام

یہ دوسرا مرحلہ ہے۔ اِس میں اور مرحلۂ انذار میں اِس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ اُس میں دعوت فرداً فرداً یا نجی کی بعض مجالس ہی میں پیش کی جاتی ہے، لیکن اِس مرحلے میں پیغمبر کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کھلم کھلا اپنی قوم کو پکارنے کے لیے اٹھے اور جس حد تک اور جن ذرائع سے بھی ممکن ہو، اپنی دعوت ہانکے پکارے اُن کے سامنے رکھ دے۔ پیغمبروں کی دعوت میں یہ مرحلہ بڑا ہی سخت ہوتا ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں جب یہ مرحلہ آیا تو اِس کی تیاریوں کے لیے آپ کو قیام اللیل کا حکم دیا گیا۔ قرآن کی سورۂ مزمل اِسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو رات کی نماز کے لیے اٹھنے، اُس میں

ٹھیر ٹھیر کر قرآن پڑھنے، اپنے پروردگار کی صفات پر متنبہ ہو کر اپنے دل کو اُس کی یاد سے معمور اور زبان کو اُس کی تسبیح و تحمید سے تر رکھنے اور رات کی تنہائی میں سب سے ٹوٹ کر اُسی کے ساتھ لو لگانے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ یہ ہدایت ہم اِس لیے کر رہے ہیں کہ 'انا سنلقی علیک قولًا ثقیلًا'[6] (عنقریب ایک بھاری بات کا بوجھ ہم تم پر ڈال دیں گے)۔ چنانچہ اِس کے بعد کی سورہ میں یہ بوجھ آپ پر ڈال دیا گیا اور ارشاد ہوا:

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ. وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ.
(المدثر ۷۴: ۱-۷)

"اے اوڑھ لپیٹ کر بیٹھنے والے، اٹھو اور انذار عام کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اپنے پروردگار ہی کی بڑائی بیان کرو اور اپنے دامن دل کو پاک رکھو اور شرک کی اِس غلاظت سے دور رہو اور دیکھو اپنی سعی کو زیادہ خیال کر کے منقطع نہ کر بیٹھو اور اپنے پروردگار کے فیصلے کے انتظار میں ثابت قدم رہو۔"

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دعوت کی ترتیب اِس مرحلے میں بھی وہی رہتی ہے اور اصلاً قوم کے پیشوا اور ارباب حل و عقد ہی پیغمبر کے مخاطب ہوتے ہیں، لیکن انذار عام کی شدت اُس رد عمل کو بھی پوری قوت سے سامنے لے آتی ہے جو مرحلۂ انذار میں اِس طرح نمایاں نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے، وہ چونکہ زیادہ تر نوجوان تھے، اِس لیے یہ رد عمل بھی اولاً اُن کے اعزہ و احباب اور متعلقین کی طرف سے ظاہر ہوا۔ قوم کے زعما اُس وقت میدان میں آئے، جب اُنھوں نے دیکھا کہ پیغمبر کی دعوت اب معاشرے میں موثر ہو رہی ہے۔ پھر اُنھوں نے جو کچھ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس موقع پر جو رویہ اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی، وہ اِس مرحلے کی سورتوں میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔ سورۂ یونس کے اِن دو مقامات سے اِس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا ہے:

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا

"اور جب ہماری آیتیں اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، نہایت صاف تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اِس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اِس میں کچھ ترمیم کرو۔ اِن سے کہہ

---

۶۔ دعوتِ دین اور اس کا طریق کار، باب ۳، ص ۴۹-۵۰۔

مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ.(١٠:١٥)

دو: یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اِس میں ترمیم کر دوں۔ میں تو بس اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے۔ میں نے اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تو میں ایک بڑے ہول ناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (١٠:١٠٤-١٠٥)

''اِن سے کہہ دو: لوگو، اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی تردد میں مبتلا ہو تو سن لو کہ تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو، میں اُن کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے ہوں اور حکم ہوا ہے کہ پوری یک سوئی کے ساتھ اپنا رخ سیدھا دین حق کی طرف کر لوں اور ہرگز ان مشرکوں میں سے نہ ہوں۔''

یہی مقام ہے جس تک پہنچنے کے بعد پھر اِس مرحلے میں وہ وقت بھی آجاتا ہے جب پیغمبر کو اِن متکبرین کے بہت زیادہ درپے ہونے سے روک دیا جاتا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اب اپنے ساتھیوں کی تربیت ہی کو اصلاً اپنی توجہات کا مرکز بنائے۔ قرآن میں یہ ہدایت اِس طرح بیان ہوئی ہے:

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ. وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الذاریات ٥١:٥٤-٥٥)

''اِس لیے اب تم اِن سے اعراض کرو۔ اب تم پر کوئی الزام نہیں اور یاددہانی کرتے رہو، کیونکہ یاددہانی اہل ایمان کو نفع دیتی ہے۔''

عَبَسَ وَتَوَلّٰى. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى. وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى. اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى. اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى. فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى. وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى. وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى. وَهُوَ يَخْشٰى. فَاَنْتَ عَنْهُ

''اُس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا ـــــ، اِس پر کہ (قریش کے سرداروں کے ساتھ اُس کی مجلس میں) وہ نابینا آگیا اور تمھیں کیا معلوم، (اے پیغمبر) کہ شاید وہ (پوچھتا اور) سدھرتا یا (تم سناتے)، وہ نصیحت سنتا اور یہ نصیحت اُس کے کام

تَلَهّٰى. كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ. فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ. فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ. مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ. بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ. كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ. (عبس ۸۰: ۱-۱۶)

آتی۔ یہ جو بے پروائی برتتے ہیں، اُن کے تو تم پیچھے پڑتے ہو، دراں حالیکہ یہ اگر نہ سدھریں تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور وہ جو شوق سے تمھارے پاس آتا ہے اور (خدا سے) ڈرتا بھی ہے تو اُس سے تم بے پروائی برتتے ہو۔ ہر گز نہیں، (اِن کے پیچھے پڑنے کی ہر گز ضرورت نہیں ہے)۔ یہ تو ایک یاددہانی ہے۔ سو جس کا جی چاہے، اِس سے یاددہانی حاصل کرے (اور جس کا جی چاہے، کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے)۔ ادب کے لائق، بلند اور اچھوتے صحیفوں میں، بہت صاحب عزت، بہت وفادار لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

## اتمام حجت

یہ تیسرا مرحلہ ہے۔ اِس تک پہنچنے میں حقائق اِس قدر واضح ہو جاتے ہیں کہ مخاطبین کے پاس کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہیں رہ جاتا۔ یہی چیز ہے جسے اصطلاح میں اتمام حجت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، وہ اِس طرح مبرہن ہو جائے کہ ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کے سوا کوئی چیز بھی آدمی کو اُس کے انکار پر آمادہ نہ کر سکے۔ اِس میں ظاہر ہے کہ خدا کی دینونت کے ساتھ اسلوب، استدلال، کلام اور پیغمبر کی ذات وصفات اور علم و عمل، ہر چیز موثر ہوتی ہے، یہاں تک کہ معاملہ کھلے آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اِس موقع پر پیغمبر اپنے مخاطبین کا انجام بھی بڑی حد تک واضح کر دیتا ہے اور دعوت میں بھی بالکل آخری تنبیہ کا لب ولہجہ اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ فیل اور سورۂ قریش میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اِسی مرحلۂ اتمام حجت کے اختتام پر نازل ہوئی ہیں، یہ دونوں چیزیں بہت نمایاں ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ. اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ. وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ. تَرْمِيْهِمْ

”تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اُن کی چال کیا اُس نے اکارت نہیں کر دی؟ اور اُن پر جھنڈ کے

بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ. فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ.(۱۰۵:۵-۱)

جھنڈ پرندے مسلط نہیں کر دیے ؟(اِس طرح کہ ) تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر اُنھیں مار رہا تھا اور اُس نے اُنھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔"

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ. اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ. فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ. الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ.(۱۰۶:۱-۴)

"قریش کو مانوس کر دینے کے باعث ، (اور کچھ نہیں تو حرم کے سایۂ امن میں ) سردی اور گرمی کے سفروں سے اُن کو مانوس کر دینے ہی کے باعث ، اُنھیں چاہیے کہ وہ اِس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے (اِن بنجر پہاڑوں کی) بھوک میں اُنھیں کھلایا اور (اِن کے ) خوف میں اُنھیں امن عطا فرمایا۔"

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

پہلی سورہ، اگر غور کیجیے تو قریش کو اِس حقیقت پر متنبہ کرتی ہے کہ جس پروردگار نے تمھارے سامنے اپنے دشمنوں کو اِس طرح پامال کیا ہے، تم اُس کی دشمنی کے لیے اٹھے ہو تو تمھارا انجام بھی اُن سے مختلف نہ ہو گا، اور دوسری سورہ اُنھیں اِس بات کی تلقین کرتی ہے کہ جس گھر کی تولیت اُنھیں حاصل ہے، یہ اُسی کا مالک ہے جس نے اُنھیں رزق اور امن سے نوازا ہے، لہٰذا اُس کا یہ حق تو کم سے کم اُنھیں پہچاننا چاہیے کہ اِس دنیا میں وہ اُسی کے بندے بن کر رہیں۔

دعوت کے اِس مرحلے میں پیغمبر کا اسلوب یہی ہوتا ہے۔

## ہجرت و براءت

یہ چوتھا مرحلہ ہے۔ اللہ کے پیغمبر جب تبلیغ کا حق بالکل آخری درجے میں ادا کر دیتے ہیں اور حجت تمام ہو جاتی ہے تو یہ مرحلہ آ جاتا ہے۔ اِس میں قوم کے سرداروں کی فرد قرارداد جرم بھی پوری وضاحت کے ساتھ اُنھیں سنا دی جاتی ہے اور یہ بات بھی بتا دی جاتی ہے کہ اُن کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا۔ لہٰذا اب اُن کی جڑیں اِس زمین سے لازماً کٹ جائیں گی۔ اِس کے ساتھ پیغمبر کو بھی بشارت دی جاتی ہے کہ نصرت خداوندی کے ظہور کا وقت آ پہنچا۔ وہ اور اُس کے ساتھی اب نجات پائیں گے اور جس سرزمین میں وہ کمزور اور بے بس تھے، وہاں اُنھیں سرفرازی حاصل ہو جائے گی۔ اِس لیے اپنی قوم کی تکفیر اور اُس کے عقیدہ و مذہب سے بے زاری کا اعلان کر کے

وہ اب اُسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں یہ سب جس طرح ہوا، وہ قرآن کی اِن سورتوں سے واضح ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ. فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ. وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ. فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ. وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ. (الماعون ۱۰۷: ۱-۷)

”تم نے دیکھا اُسے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے، (اے پیغمبر)؟ یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا اور مسکین کو کھلانے کے لیے نہیں ابھارتا۔ اِس لیے بربادی ہے (حرم کے پروہت) اِن نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں (کی حقیقت) سے غافل ہیں۔ یہ جو (عبادت کی) نمایش کرتے اور برتنے کی کوئی ادنیٰ چیز بھی کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔“

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ. (الکوثر ۱۰۸: ۱-۳)

”ہم نے یہ خیر کثیر (اپنا یہ گھر) تمھیں عطا کر دیا ہے، (اے پیغمبر)۔ اِس لیے تم (اِس میں اب) اپنے پروردگار ہی کی نماز پڑھنا اور اُسی کے لیے قربانی کرنا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ تمھارا یہ دشمن ہی جڑ کٹا ہے، اِس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔“

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ. لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ. وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ. وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ. وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ. لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ. (الکافرون ۱۰۹: ۱-۶)

”تم اعلان کرو، (اے پیغمبر) کہ اے کافرو، میں اُن چیزوں کی عبادت نہ کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم کبھی (تنہا) اُس کی عبادت کرو گے جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ اِس سے پہلے کبھی میں اُن چیزوں کی عبادت کے لیے تیار ہوا جن کی عبادت تم نے کی اور نہ تم (تنہا) اُس کی عبادت کے لیے کبھی تیار ہوئے جس کی عبادت میں کرتا رہا ہوں۔ (اِس لیے اب) تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ. وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا. فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. (النصر ۱۱۰: ۱-۳)

''اللہ کی مدد اور وہ فتح جب آ جائے (جس کا وعدہ ہم نے تم سے کیا ہے)، اور تم لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لو تو اپنے پروردگار کی تسبیح کرو اُس کی حمد کے ساتھ اور اُس سے معافی چاہو۔ (اِس لیے کہ) وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے۔''

اِس کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس ہجرت کا حکم اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں، اِس کا فیصلہ کوئی پیغمبر اپنے اجتہاد سے نہیں کر سکتا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے اپنی عقل و راے سے یہ فیصلہ کر لینا کہ اُس کی طرف سے حجت پوری ہو گئی ہے اور قوم کی طرف سے دعوت حق کے لیے اب کسی مثبت ردعمل کی توقع نہیں کی جا سکتی، کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ قوم لوط کے متعلق یہ فیصلہ لے کر جب خدا کے فرشتے ابراہیم جیسے جلیل القدر پیغمبر کے پاس آئے تو اُنھوں نے اِسے قبل از وقت سمجھا اور اِس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مجادلہ کیا۔[7] اور یونس علیہ السلام نے اپنی راے سے یہ فیصلہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس پر سخت مواخذہ کیا[8] اور اُن کے رجوع کے بعد اُن کی قوم کے ایمان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ توفیق ہدایت کا وقت صرف اللہ کے علم میں ہے۔ قرآن مجید انھی کی مثال پیش کر کے واضح کرتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر کو اِس معاملے میں پوری استقامت کے ساتھ اللہ کے فیصلے کا منتظر رہنا چاہیے۔ وہ اپنی راے سے یہ خیال کر کے کہ اُس کی طرف سے فرض دعوت کافی حد تک ادا ہو چکا، اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اُس پر لازم ہے کہ وہ جس ذمہ داری پر مامور ہوا ہے، اُس میں برابر لگا رہے، یہاں تک کہ اُس کا پروردگار ہی یہ فیصلہ کر دے کہ حجت پوری ہو گئی، قوم کی مہلت ختم ہوئی اور اب پیغمبر اُنھیں چھوڑ کر جا سکتا ہے۔

## جزا و سزا

یہ آخری مرحلہ ہے۔ اِس میں آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہوتی ہے، خدا کی دینونت کا ظہور ہوتا ہے اور

---

۷۔ ہود ۱۱: ۷۴-۷۶۔

۸۔ الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۳۹-۱۴۸۔

پیغمبر کی قوم کے لیے ایک قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے۔ پیغمبروں کے انذار کی جو تاریخ قرآن میں بیان ہوئی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر بالعموم دو ہی صورتیں پیش آتی ہیں: ایک یہ کہ پیغمبر کے ساتھی بھی تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں اور اُسے کوئی دارالہجرت بھی میسر نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ وہ معتدبہ تعداد میں اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلتا ہے اور اُس کے نکلنے سے پہلے ہی کسی سرزمین میں اللہ تعالیٰ اُس کے لیے آزادی اور تمکن کے ساتھ رہنے بسنے کا سامان کر دیتے ہیں۔ اِن دونوں ہی صورتوں میں رسولوں سے متعلق خدا کی وہ سنت لازماً روبہ عمل ہو جاتی ہے جو قرآن میں اِس طرح بیان ہوئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ. كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (المجادلہ ۵۸: ۲۰-۲۱)

”بے شک، وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں، وہی ذلیل ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی۔ بے شک، اللہ قوی ہے، بڑا زبردست ہے۔“

پہلی صورت میں رسول کے قوم کو چھوڑنے کے بعد یہ ذلت اِس طرح مسلط کی جاتی ہے کہ آسمان کی فوجیں نازل ہوتیں، ساف و حاصب کا طوفان اٹھتا اور ابر و باد کے لشکر قوم پر اِس طرح حملہ آور ہو جاتے ہیں کہ رسول کے مخالفین میں سے کوئی بھی زمین پر باقی نہیں رہتا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح، قوم شعیب اور اِس طرح کی بعض دوسری اقوام کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اِس سے مستثنیٰ صرف بنی اسرائیل رہے جن کے اصلاً توحید ہی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سیدنا مسیح علیہ السلام کے اُن کو چھوڑنے کے بعد اُن کی ہلاکت کے بجائے ہمیشہ کے لیے مغلوبیت کا عذاب اُن پر مسلط کر دیا گیا۔

دوسری صورت میں عذاب کا یہ فیصلہ رسول اور اُس کے ساتھیوں کی تلواروں کے ذریعے سے نافذ کیا جاتا ہے۔ اِس صورت میں، ظاہر ہے کہ قوم کو کچھ مہلت مل جاتی ہے۔ رسول اِس عرصے میں دارالہجرت کے مخاطبین پر اتمام حجت بھی کرتا ہے، اپنے اوپر ایمان لانے والوں کی تربیت اور تطہیر و تزکیہ کے بعد اُنھیں اِس معرکۂ حق و باطل کے لیے منظم بھی کرتا ہے اور دارالہجرت میں اپنا اقتدار بھی اِس قدر مستحکم کر لیتا ہے کہ اُس کی مدد سے وہ منکرین کے استیصال اور اہل حق کی سرفرازی کا یہ معرکہ سر کر سکے۔ اِس سارے عمل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول کے مخالفین اور موافقین بالکل ممیز ہو کر اِس طرح سامنے آ جاتے ہیں کہ سنت الٰہی کے مطابق

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فیصلے سے پہلے ہر گروہ کو اُس کی تمام تر خصوصیات کے ساتھ بالکل الگ دیکھ لیا جا سکتا ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین میں بالعموم تین ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں: مخالفین میں معاندین، متربصین اور مغفلین اور موافقین میں سابقین اولین، متبعین بالاحسان اور ضعفا و منافقین۔

''معاندین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو دعوت کے موثر ہوتے ہی بالکل کھلم کھلا اور پوری شدت کے ساتھ اُس کے مقابلے میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اُن کی اِس مخالفت کا محرک حمیت جاہلی بھی ہوتی ہے، حسد و تکبر بھی اور مفاد پرستی بھی۔ یہ تینوں محرکات مخالفت کی نوعیت کے لحاظ سے یکساں، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے بالکل الگ ہیں۔

پہلا محرک بالعموم اُن لوگوں کو مقابلے پر لاتا ہے جو اپنے زمانے کی جاہلیت کے ساتھ پوری طرح مخلص اور اُس کے نظام کے سچے خادم ہوتے ہیں۔ وہ پیغمبر کی دعوت کو اپنے نظام اور اُس کے پس منظر میں موجود اپنے آبا کی روایات کے لیے ایک چیلنج سمجھ کر اُس کے مقابلے میں آتے ہیں۔ اُن کی یہ مخالفت چونکہ قومی حمیت پر مبنی ہوتی ہے، اِس وجہ سے اُس میں رذالت اور کمینگی نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ اگر مخالف رہتے ہیں تو ابوجہل کی طرح قوم پرستی کے پورے ولولے کے ساتھ مخالف رہتے اور اگر ایمان لاتے ہیں تو حضرت عمر اور حضرت حمزہ کی طرح پورے دل اور پوری جان سے ایمان لاتے ہیں۔

دوسرا محرک عموماً اُن لوگوں کو معاندت پر ابھارتا ہے جو وقت کے نظام میں نسلاً بعد نسلٍ دینی یا دنیوی ریاست کے مالک چلے آ رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ سرداری اور پیشوائی کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ پھر کسی پیغمبر کو بھی اپنا سردار اور پیشوا ماننا اُن کے لیے ممکن نہیں ہوتا اور وہ حق کو بھی لازماً اپنا پیرو بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی لوگ تھے جنھوں نے کہا کہ اگر اللہ کو اپنی ہدایت نازل کرنا تھی تو یہ طائف اور ام القریٰ کے کسی بڑے سردار پر کیوں نازل نہ ہوئی۔[9] یہود نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اِسی محرک کے تحت کی۔[10] حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے مذہبی پیشوا، فقیہ اور فریسی اِسی بنا پر ایمان کی نعمت سے محروم رہے اور آں جناب کی یہ بات اُن پر پوری طرح صادق آئی کہ اونٹ کا

---

۹۔ الزخرف ۴۳: ۳۱۔

۱۰۔ البقرہ ۲: ۱۰۹۔

سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اِس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔"[11] اِس طرح کے لوگ شروع شروع میں پیغمبر اور اُس کی دعوت، دونوں کو حقیر سمجھ کر اُس سے بالکل صرف نظر کیے رہتے ہیں، لیکن جب دیکھتے ہیں کہ اُس کا اثر لوگوں میں بڑھ رہا ہے تو حسد کی آگ میں جل اٹھتے اور وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو حاسدین اِس دنیا میں اپنے مخالفین کے خلاف کرتے رہے ہیں۔

تیسرا محرک عام طور پر اُن لوگوں کو آمادۂ مخالفت کرتا ہے جو اپنے ذاتی مفادات سے آگے کسی چیز کو دیکھنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ ہر معاملے میں اپنی ذات کے اسیر، ہر قدم پر استحقاق کے طالب اور ہر شے کے حق و باطل کا فیصلہ اپنی ذات کے حوالے سے کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اپنی اِس اخلاقی پستی اور دنائت کی وجہ سے وہ بس اپنے مفادات ہی کی طرف لپک سکتے ہیں، پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنا اور اُس کے عقبات سے گزرنا اُن کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں ابولہب کا رویہ اِسی کی مثال ہے۔

''متربصین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر پیغمبر کی دعوت کا حق ہونا تو کسی حد تک واضح ہوتا ہے، لیکن وہ حق کو مجرد حق کی بنیاد پر ماننے کے بجائے اِس انتظار میں رہتے ہیں کہ دیکھیں، مستقبل اِس دعوت کے بارے میں کیا فیصلہ سناتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر کے مقابلے میں یہ زیادہ سرگرمی تو نہیں دکھاتے، لیکن ساتھ ہمیشہ مخالفین ہی کا دیتے ہیں اور شب و روز اِسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ حق و باطل میں سمجھوتے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، اور اِن کو اِس معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ آزمایش اور کشمکش کے زمانے میں یہ پیغمبر کے حق میں کوئی کلمۂ خیر بھی کہہ سکتے ہیں، اُس کے بارے میں کبھی اپنی پسندیدگی بھی ظاہر کر سکتے ہیں، اپنے دل میں اُس کی کامیابی کے متمنی بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی اُس کی مالی یا اخلاقی مدد کا حوصلہ بھی کر سکتے ہیں، لیکن اِس زمانے میں اُسے ماننا اور اُس کے لیے جوکھم برداشت کر لینے پر آمادہ ہو جانا، اِن کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ہوتا۔

''مغفلین'' سے مراد وہ عوام الناس ہیں جو ذہنی اور معاشی لحاظ سے اپنے وقت کے نظام کے تابع اور ہر معاملے میں اپنے زمانے کے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی رہنماؤں کے پیرو ہوتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر کی دعوت کے معاملے میں بھی یہ اُنھی کے اشاروں پر چلتے اور اُنھی کی طرف سے کسی اقدام کے منتظر رہتے ہیں۔ پہلے مرحلے

---

۱۱۔ متی ۱۹، آیت ۲۴۔

میں اِن کا طرز عمل عموماً یہی ہوتا ہے، لیکن اِس کے بعد جب اِن کے پیشوا پیغمبر کی مخالفت میں خم ٹھونک کر میدان میں اترتے ہیں تو علم و استدلال اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے جو فرق اِن کے لیڈروں اور پیغمبر میں ہوتا ہے، وہ بالکل نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اُس وقت یہ اپنے لیڈروں سے بدگمان ہو کر اُن سے ٹوٹتے اور پیغمبر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اِن کے اندر یہ تبدیلی اِن میں سے بعض جرأت منداور اونچی سیرت کے لوگوں کو اقدام پر آمادہ کرتی ہے اور اِس کے نتیجے میں یکے بعد دیگرے یہ پیغمبر سے وابستہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔

''سابقین اولین'' کی اصطلاح قرآن مجید میں اُن لوگوں کے لیے استعمال ہوئی ہے جو کسی دعوت حق کو سنتے ہی اُس کی طرف لپکتے ہیں اور ہر نتیجے سے بے پروا ہو کر اپنا سب کچھ اُس کے لیے قربان کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی فطرت صالح، عقل بیدار، دل زندہ، آنکھیں بینا، کان شنوا اور دماغ ہر صحیح بات کو سمجھنے اور قبول کر لینے کے لیے پوری طرح تیار ہوتا ہے۔ یہ چیزوں کو عقل و فطرت کی روشنی میں دیکھتے اور جب اُن کی صحت پر مطمئن ہو جاتے ہیں تو ہر طرح کے جذبات و تعصبات سے بلند اور تمام خطرات سے بے خوف ہو کر برملا اُن کا اعتراف و اقرار کر لیتے ہیں۔ یہ سیرت و کردار کے لحاظ سے اپنی قوم میں گل سرسبد اور اپنی سرزمین پر ہمالہ و الوند کی طرح نمایاں ہوتے ہیں۔ دعوت حق اِن کے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں ہوتی، بلکہ اِن کے دل کی آواز، اِن کے ضمیر کی صدا اور اِن کی روح کا نغمہ ہوتی ہے، اور یہ بس منتظر ہی ہوتے ہیں کہ کوئی اٹھے اور یہ اُس کا ساتھ دینے کے لیے اپنے سارے دل اور ساری جان کے ساتھ اُس کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ پیغمبر جب اپنی دعوت کی صدا بلند کرتا ہے تو یہ نہ عذر تراشتے ہیں، نہ اُس کا حسب و نسب دیکھتے ہیں، نہ ماضی و حال کا تجزیہ کرتے ہیں، نہ شخصیت کے بخیے ادھیڑتے ہیں، نہ معجزے طلب کرتے ہیں، نہ حجتیں کھڑی کرتے ہیں اور نہ لاطائل بحثیں کرتے ہیں، بلکہ فوراً یہ کہتے ہوئے کہ: میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے ـــــ اُس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اِس عزم کے ساتھ اُس کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اب ہرگز پیچھے نہ ہٹیں گے:

ولو قطعوا راسی لدیک واوصالی

''متبعین بالاحسان'' وہ لوگ ہیں جو سابقین اولین کے اقدام کے بعد اُن کو دیکھ کر حق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے پہلی صف کے لوگ تو نہیں ہوتے، لیکن صف دوم میں یقیناً سب سے بہتر ہوتے ہیں۔ سابقین اولین کی طرح یہ بطور خود اگر آگے نہیں بڑھتے تو اپنے پیش رووں کی جرأت و عزیمت، حق

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے لیے اُن کی سبقت اور اِس راہ کے عقبات میں اُن کی استقامت کو دیکھ کر پیچھے رہنا بھی اُن کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ دعوت حق کی عقلی اور استدلالی قوت، بے شک اِنھیں اتنا متاثر نہیں کرتی، لیکن اہل ہمت کا شوق اور اُن کی عزیمت جلد یا بدیر اِنھیں لازماً تسخیر کر لیتی ہے۔ تاہم پیغمبر کو اِن کے معاملے میں کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ حق کے متعلق جو شبہات خود اِن کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور جو دوسروں کے پیدا کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں، وہ سب اگر دور کر دیے جائیں اور عزم و ہمت کی کچھ مثالیں اُن کے سامنے آ جائیں تو اِن کی فطرت کا زنگ اتر جاتا ہے۔ اِس کے بعد اگر اللہ توفیق دے تو یہ پیغمبر کے ساتھی بن جاتے ہیں اور ہر آزمایش میں پورے خلوص اور حوصلے سے اُس کا ساتھ دیتے ہیں۔

''ضعفا و منافقین'' میں مشابہت محض ظاہری ہوتی ہے۔ اپنی نیت اور ارادے کے اعتبار سے یہ بالکل الگ الگ لوگ ہیں۔ چنانچہ اِن کے اوصاف و خصائص کو بھی اِسی طرح الگ الگ سمجھنا چاہیے۔

''ضعفا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیغمبر کی دعوت کو کسی نہ کسی مرحلے میں، بلکہ بعض اوقات اُس کی ابتدا ہی میں قبول کر لیتے ہیں اور اُن کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں اُس کے تقاضے پورے کریں، لیکن قوت ارادی میں کمزوری کی وجہ سے بار بار گرتے اور اٹھتے ہیں۔ تاہم اُن کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ہر بار جب گرتے ہیں تو توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنی خطاؤں کا ازالہ کرتے اور اپنا سفر ہر حال میں راہ حق ہی پر جاری رکھتے ہیں۔

''منافقین'' اِس کے برخلاف وہ لوگ ہیں جو کبھی محض عارضی تاثر کی بنا پر اور کبھی بہت سوچ سمجھ کر شرارت کے ارادے سے پیغمبر کے ساتھ آ جاتے ہیں۔ پہلی صورت میں یہ ہمیشہ 'مذبذبین بین ذلک، لا الی ھٰؤلاء ولا الی ھٰؤلاء'[۱۲] کی تصویر بنے رہتے ہیں اور دوسری صورت میں اِن کی حیثیت اہل ایمان کی صفوں میں دشمنوں کے ایجنٹ کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اِن کا کردار بھی وہی ہوتا ہے جس کی توقع اِس طرح کے کسی ایجنٹ سے کی جا سکتی ہے۔

پیغمبر کے مخاطبین میں موافقین اور مخالفین کے یہ دونوں فریق جب پوری طرح ممیز ہو جاتے ہیں اور پیغمبر بھی اپنے ساتھیوں کی معیت میں جنگ کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو خدا کی عدالت اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں یہ فیصلہ جس طرح صادر ہوا، اُس کی تفصیلات یہ ہیں:

۱۔ قریش کی قیادت میں سے تمام معاندین بدر کے موقع پر ہلاک کر دیے گئے۔ یہ صرف ابو لہب تھا، جس

---

۱۲۔ النساء ۴: ۱۴۳۔ ''درمیان میں لٹک رہے ہیں، نہ ادھر ہیں نہ اُدھر۔''

نے اِس عذاب سے بچنے کی کوشش کی اور جنگ میں شامل نہیں ہوا۔ قرآن اُس کے بارے میں اعلان کر چکا تھا کہ اپنے اعوان وانصار کے ساتھ اُسے بھی لازماً ہلاک ہونا ہے۔[۱۳] چنانچہ بدر میں قریش کی شکست کے سات دن بعد یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی اور بنی ہاشم کے اِس سردار کا عدسہ کی بیماری سے اِس طرح خاتمہ ہوا کہ مرنے کے بعد بھی تین دن تک کوئی اُس کے پاس نہ آیا۔ یہاں تک کہ اُس کی لاش سڑ گئی اور بدبو پھیلنے لگی۔ آخر کار ایک دیوار کے ساتھ رکھ کر اُس کی لاش پتھروں سے ڈھانک دی گئی۔

۲۔ احد اور احزاب میں مسلمانوں کی تطہیر و تزکیہ کے بعد مشرکین عرب کے تمام متربصین اور مغفلین کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ اُن کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اِس کے بعد رسوائی کا عذاب اُن پر مسلط ہو جائے گا جس سے نکلنے کی کوئی راہ وہ اِس دنیا میں نہ پاسکیں گے۔[۱۴]

۳۔ ۹ ہجری میں حج اکبر کے موقع پر اعلان کر دیا گیا کہ حرام مہینے گزر جانے کے بعد مسلمان اِن مشرکین کو جہاں پائیں گے قتل کر دیں گے، الاّیہ کہ وہ ایمان لائیں، نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اِس سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ پیغمبر کے معاہدات ہیں۔ اِن معاہدات کے بارے میں ہدایت کی گئی کہ اُن کی مدت تک اُنھیں پورا کیا جائے۔ اِس کے صاف معنی یہ تھے کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد یہ معاہدین بھی اُسی انجام کو پہنچیں گے جو مشرکین کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔[۱۵]

۴۔ اہل کتاب کے تمام گروہوں کے بارے میں حکم دیا گیا کہ وہ اب جزیہ دے کر اور مسلمانوں کے زیر دست کی حیثیت سے جئیں گے۔ اُنھیں بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اگر اُنھوں نے قبول نہ کیا تو پیغمبر اور اُس کے ساتھیوں کی تلواریں اُنھیں بھی جہنم رسید کر دیں گی۔[۱۶]

۵۔ منافقین کو متنبہ کیا گیا کہ وہ اگر توبہ کر لیں تو اُن کے حق میں بہتر ہے، ورنہ اُنھیں بھی عنقریب اُسی انجام سے دوچار ہونا پڑے گا جو منکرین کے لیے مقدر رہے۔[۱۷]

---

۱۳۔ اللھب ۱۱۱: ۱-۳۔

۱۴۔ التوبہ ۹: ۱-۲۔

۱۵۔ التوبہ ۹: ۳-۵۔

۱۶۔ التوبہ ۹: ۲۹۔

۱۷۔ التوبہ ۹: ۷۴، ۱۰۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۶۔ مخلصین میں سے جن لوگوں سے غلطی ہوئی، اُنھیں کچھ سزا دے کر معاف کر دیا گیا[۱۸] اور ضعیف مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ وہ اگر توبہ و اصلاح کے رویے پر قائم رہے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں بھی معاف فرمادیں گے۔[۱۹]

۷۔ سابقین اولین کی قیادت میں سرزمین عرب کا اقتدار اور حرم کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کر دی گئی اور اِس طرح اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو گیا جو سورۂ نور میں اُن کے لیے بیان ہوا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.(۲۴:۵۵)

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے، اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو وہ اِس ملک میں اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح اُس نے اُن لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا جو اُن سے پہلے گزرے اور اُن کے اُس دین کو مضبوطی سے قائم کر دے گا جو اُس نے اُن کے لیے پسند فرمایا اور اُن کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرے ساتھ شریک نہ کریں گے اور جو اِس کے بعد پھر منکر ہوں گے، وہی ہیں جو نافرمان ٹھیریں گے۔“

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.org

۱۸۔ التوبہ ۹:۱۱۸۔

۱۹۔ التوبہ ۹:۱۰۲۔